بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے!

بعض اوقات کوئی شخصیت یا جماعت یا حالت اس درجہ تسلط یافتہ ہوتی ہے کہ آدمی اپنی محدود سوجھ بوجھ کے سامنے جب سوچتا ہے تو اس کے دل میں یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ کیا یہ کبھی ٹلے گی بھی؟ — مگر جن لوگوں کا اللہ کے اس دستِ قدرت پر ایمان ہے جو پردۂ غیب کے پیچھے سے قوانینِ طبعی اور قوانینِ تاریخی اور ضوابطِ اخلاقی کی ڈوریوں کو حرکت میں دے کہ طبعی اور انسانی دنیا میں حوادث کے بڑے بڑے طوفان اٹھاتا رہتا ہے، ان کی ظاہری پریشانی و اضطراب کے نیچے یہ امید آفریں ایمان چھپا ہوتا ہے کہ ایک تو ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں، دوسرے خدا نے کبھی کسی طاقت کو دوام نہیں دیا، اور تیسرے وہ ظلم، خیانت اور فحاشی و عیاشی کے مجرموں کے اقتدار کا تختہ اچانک اس طرح الٹ دیتا ہے کہ آدمی حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ یہ کیسے ہوا ہے؟

ہٹلر کو ہمارے سامنے طاقت کے اسٹیج سے ہٹایا گیا۔ برطانیہ کے تسلط سے ہمارا ملک اور دوسرے ممالک آزاد ہو گئے۔ شاہ ایران کو شاہِ شطرنج کی پل میں مات ہو گئی۔ ابھی ابھی کارل مارکس کے سائنٹفک فلسفے پر لینن اور اسٹالن کا بنایا ہوا اشتراکی نظام، آمریت کی آہنی قلعہ بندی کے کڑے حفاظتی نظام کے باوجود ایسا گرا کہ کرچی کرچی ہو گیا۔ ہم پاکستانی مسلمان ہندو کانگریس کی متحدہ وطنی قومیت کی لادین سیاست کے عنکبوتی جال سے بچ نکلے۔ یہاں کتنے ہی دور چلے مگر رند، ساقی اور پیرِ مغاں سب

رخصت ہو گئے ۔ کیا طنطنے تھے، کیا دبدبے تھے، کیا ہمہمے تھے، مگر سب خواب ہو گئے۔ بھٹو صاحب کا زمانۂ عتاب — اور رہی سہی کسر پوری کرنے کے لیے بے نظیر صاحبہ کا دَورِ عذاب، سب جادۂ تاریخ پر رواں دواں ماضی کے دھندلکے میں غائب ہو گئے۔ سچ ہے: تعزّ من تشآء وتذلّ من تشاء بیدك الخیر۔ اللہ جسے چاہے قوت و سربلندی دے اور جسے چاہے پستی اور بے بسی میں دھکیل دے — اپنے کدِ خیر اور اپنے دستِ فلاح سے[1]! اسی مدعا کو سورۂ حج کی آیت نمبر ۴۰ میں مزید واضح کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض دوسروں کے ذریعے ہٹاتا نہ رہے تو مذاہب اور عبادت گاہوں کی سلامتی اور امن سب تباہی کا لقمہ بن جائیں۔

خدا کا شکر ہے کہ ایک ایسی بلا ٹلی جو امریکہ کی سرپرستی میں یہود کی پروردہ تھی اور جسے بھارت نوازی کا اعزاز حاصل تھا ۔ اس زنانہ دورِ حکومت نے یہ ثابت کر دیا کہ عورت کی حکومت ذریعۂ فلاح نہیں بن سکتی (جب کہ فلاح کے معنی خود اسلامی اصطلاح کے طور پر سوچنے چاہییں)۔ بلکہ دورِ حاضر میں مقبول ترین مغربی پیرایۂ جمہوریت بھی ملک کو ایسے برے نتائج دے گا۔ خود مروجہ فاسد جمہوریت کے تاریک پہلو بہت عریاں ہو گئے ۔ ہماری قومی زندگی کے یہ سال کتنے تاریک تھے جب کہ ہلڑ بازوں اور ہائی جیکروں اور چھاپہ ماروں کو منظم کرنے والے ایک مغرب زدہ امریکہ پرست، یہود نواز، فسطائیت پسند شیعہ خاندان کا منحوس سایہ ہم پر چھایا رہا۔

نئے آنے والوں کو جو آئی جے آئی کا جھنڈا لہراتے آئے ہیں، فتح مبارک — مگر یہ فتح باعثِ مسرت بھی ہے اور ایک بڑا چیلنج یا امتحان بھی۔ فتح کا تقاضا مسرت، اور امتحان کا تقاضا اسلامی اور عوامی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے تدبر، دیانت

---

[1] مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اے اللہ (ان ساری تبدیلیوں میں) خیر اور بھلائی تو تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

اور محنت کا ہے۔

فاتح اتحاد کے تمام فریقوں اور ان کے لیڈروں اور سب سے بڑھ کر اس قافلۂ تازہ دم کے قائد جناب نواز شریف کو اوپر والی آیت سامنے رکھنی چاہیے، نہ عزت و بلندی کسی کا اجارہ ہے، نہ پستی و ناطاقتی کسی کا دائمی مقدر۔ یہ اللہ کا قانون ہے، اس نے اگر پہلی ٹیم کو میدان سے آوٹ کر کے کھیل آپ کے حوالے کیا ہے تو اب یہ آپ کے ایمان و ضمیر، عدل و انصاف اور دیانت و خدمت پر منحصر ہے کہ میدان کب تک آپ کے ہاتھ میں رہے۔ قانونِ الٰہی کا ریفری سر پہ کھڑا ہے اور خدانخواستہ آپ نا اہلیت دکھائیں تو وہ ایک اشارے سے آپ کو میدان سے نکال باہر کرے گا اور کسی اور کو لے آئے گا۔ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (توبہ - ۳۹) یہی مفہوم سورۂ ہود آیت ۵۷ میں بھی ہے۔

افسوس کہ قرآن کا یہ سبق تاریخ نے بار بار عملی شکل میں انسانوں کے سامنے رکھا مگر تاریخ بنانے کا جنہیں غرہ تھا اور جو تاریخ پر سواری کرنے کے خواب دیکھتے تھے، وہ تاریخ کے بہ تکرار دکھائے ہوئے مناظر سے استفادہ نہ کر سکے، نتیجہ یہ کہ کیفرِ کردار کو پہنچے۔

تو حضرات، عزت، قوت، غلبہ، اقتدار، قیادت، وزارت، صدارت، پارلیمانی رکنیت، دولت، شہرت، رسوخ، قابلیت، حمایتِ عوام، ہر چیز خدا کی امانت ہے جسے کبھی اپنا نہ سمجھنا چاہیے۔ اور جس کو مالک کے بتائے ہوئے حدود سے بے نیاز ہو کر اپنی مرضی، اپنے مفاد، اور پارٹی یا برادری یا صوبے یا طبقے کی خدمت یا مخالفین سے انتقام لینے اور کمزوروں پر ظلم کرنے کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ ایسا کیا جائے تو یہ خدا کی عطا کردہ امانت میں خیانت ہوگی۔ اور خیانت اور ظلم کا انجام ہمارے سامنے اس طرح واضح ہے جیسے ۶ میں سے ۵ تفریق کرنے کے بعد ایک باقی رہ جاتا ہے۔

جہاں یہ حقیقت سب جانتے ہیں کہ نئی قوت میں مسلم لیگ سے کسی بھی درجے میں نسبت رکھنے والوں کی تعداد دوسروں سے زیادہ ہے، وہاں اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ

عوام میں پی پی کے خلاف پُر زور مقبولیت "اسلامی جمہوریت اتحاد" کو ملی ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں پچھلے دَور کے ستم رسیدہ معاشرے میں یکایک ایسی رَو چلی کہ ۲۴ اکتوبر کی شام تک بیلٹ کے ذریعے انقلاب آگیا۔ "اتحاد" اور "سائیکل" کے دو الفاظ ایسے پھیلے کہ دیہات تک میں تعلیم سے بے بہرہ مردوں اور عورتوں نے کہا کہ سائیکل پر مہر لگانی ہے۔ کسی نے کم ہی یہ جانا کہ کون اُمیدوار ہے اور کیسا ہے۔ بس یہ جاننا کافی ہے کہ یہ "اتحاد" کا ہے۔

اس کی ایک نفسیاتی وجہ ہے جو ۱۹۷۷ء والے اتحاد کے سلسلے میں بھی کارفرما تھی۔ عام لوگ جگہ جگہ آٹھ آٹھ، دس دس اُمیدواروں کا دنگل دیکھتے ہیں تو وہ پچھلے تجربات کی روشنی میں متفکر ہو جاتے ہیں کہ اُن کے ووٹ بکھر کر ضائع ہو جائیں گے اور اقلیتی ووٹوں سے کوئی نامطلوب شخص کامیاب ہو جائے گا۔ پی پی کی کامیابی کا راز یہی تھا کہ مقابلہ کرنے والوں کے اکثریتی ووٹ بٹ کر ضائع ہو جاتے رہے۔ اس مرتبہ اتحاد نے نقشۂ احوال کو بدل دیا اور بیشتر صورتوں میں پاکستان دوست اور محبانِ اسلام اور طالبانِ عدل و امن سبھی اتحاد کے نمائندوں پر متفق ہو گئے اور آنکھیں بند کر کے سائیکل کے نشان پر سارے ملک میں مہریں لگاتے چلے گئے۔ گویا ایک رَو چل پڑی اور انتخابات میں مؤثر ادل بدل جبھی ہوتا ہے کہ رَو چل پڑے۔ اسلامی جمہوری اتحاد پر جو رَو چلی، اس میں کوئی بڑی تعداد والی جماعت ہو یا قلیل تعداد والی، منظم لوگ ہوں یا غیر منظم، دینی لحاظ سے پیش پیش ہوں یا جمہوری سیاست کے لحاظ سے، سب کا حصہ شامل ہے۔ جوارش جالینوس یا دواء المسک یا خمیرہ ابریشم بنتا ہے تو کسی جزوِ اعظم کے ہونے کے باوجود ہر جزوِ قلیل کا بھی مرکب بننے اور ایک خاص تاثیر پیدا کرنے میں اہم حصہ ہوتا ہے۔ کوئی جزوِ اعظم تنہا کم ہی کارگر ہوتا ہے۔ تھوڑی سی

۱؎ ایسی رَو کسی ایک پارٹی کے لیے بھی چل سکتی ہے۔ جب کہ وہ کسی خاص نظریۂ مقصد کے ساتھ پورے زور سے سرگرم کار رہے۔

ادویۂ مفردہ ہیں مگر مرکبات زیادہ ہیں۔ گھروں میں کھانا بنتا ہے تو چاہے گوشت جزو اعظم ہو مگر نمک یا مرچ شامل نہ ہو تو بات نہیں بنتی۔ بلکہ یہ مثال شاید زیادہ واضح ہو کہ جھاڑو بے شمار تنکوں کا مجموعہ ہوتا ہے، مگر وہ چھوٹی سی سُتلی جو اس کا بندھن بنتی ہے وہ نہ ہو تو سارے تنکے بکھر جائیں۔ یہی حال جماعتی اتحادوں کا ہے۔ اگر اسلامی جمہوری اتحاد نہ وجود میں آتا اور مُلک بھر میں نئی اُمیدوں کے ساتھ ایک رَو نہ چلتی تو تنہا کوئی گروہ جو بار بار ٹوٹتا، بکھرتا اور جُڑتا رہا ہو اور کبھی سطح پر ہو، کبھی سطح کے نیچے چلا جائے، اور کبھی اس کے افراد ایک خاص فرمانروا کے اِردگرد اور کبھی دوسری پارٹی کے جلو میں دیکھے جائیں۔ عوامی اکثریت کی توجہ نہیں کھینچ سکتا۔ اسی طرح دوسرے چھوٹے گروپ جو چاہے خاص خاص حلقوں میں بہت وقار رکھتے ہوں اور مُلک میں بھی کسی کی شہرت اچھی ہو، انتخابات میں اس طرح اُبھر نہیں سکتا۔ سب ملیں تو بڑے بھی بڑے ہیں اور چھوٹے بھی بڑے —— اور اگر بکھر جائیں تو بڑے بھی چھوٹے ہیں اور چھوٹے بھی چھوٹے —— مگر یہ اکٹھے ہونا اور بکھرنا چند اُصولوں سے تعلق رکھتا ہے جو آئی جے آئی کے منشور کی شکل میں سامنے ہیں۔ یہ گویا باہمی معاہدہ ہے جس کے محور پر آئی جے آئی کی سیاست گھومے گی۔

میدان کشمکش میں آتے ہوئے تو تمام لیڈر بڑے بڑے جلسوں میں ہاتھ اُونچے کر کر کے اتحاد کا اعلان کرتے رہے، اب ایسا نہ ہو کہ کسی گروہ کو یہ خیال آئے کہ ہماری عددیت بڑی ہے (حالانکہ سیاست میں عددیت کے علاوہ بھی کچھ چیزیں ضروری ہوتی ہیں)۔ یا کوئی گروہ کہے کہ ہماری تنظیم مضبوط ہے، کوئی تیسرا کہے کہ ہم بااُصول اور باکردار لوگ ہیں —— اور پھر ایک "اَنَا" سے دوسری "اَنَا" ٹکرا نہ جائے۔ اور دانہ ہائے تسبیح کو جوڑنے والا رشتہ ٹوٹ نہ جائے اور اتحاد کا جو بھرم قائم ہے اور اس میں جو کشش ہے ختم نہ ہو جائے۔ لہٰذا اب ساری کھینچا تانیاں چھوڑ کر آئی جے آئی کے متفقہ منشور کے مطابق پورے اتحاد و اشتراک سے اقدام کرنا چاہیے۔

اس کامیاب مہم کی کامیابی کے باوجود مجھے دو باتوں کا افسوس ہے۔

ایک یہ کہ متعدد دینی گروہ جو سیاست میں آئے بھی، مگر بدقسمتی سے وہ نہ صرف اسلامی جمہوری اتحاد کا ساتھ نہ دے سکے، بلکہ وہ آپس میں مل کر بھی اقامتِ دین کا ایک محاذ بنا کر متفقہ نمائندے پیش نہ کر سکے۔ بلکہ انھوں نے اتحاد سے بھی اختلاف کیا اور آپس میں بھی مخالفت کا رویّہ اختیار کیا۔ جس کا نتیجہ صرف یہی نہیں ہوا کہ اسلامی جمہوری اتحاد کی مہم پر تھوڑا بہت بُرا اثر پڑا، بلکہ خود ان مذہبی گروہوں کو بھی تفرقہ کی یہ سزا ملی کہ جتنی سیٹیں وہ پہلے سابق مرتبہ لے چکے تھے، اتنی بھی نہ ملیں، نیز یہ اہلِ مذہب کے شہرت نامے پر مزید ایک تازہ مہر اس مفہوم کی ثبت ہو گئی کہ چند مختلف امام یا لیڈر اپنے اپنے مریدوں کو الگ الگ لیے پاکستان کی قسمت سنوارنے اور دین کو غالب کرنے کے لیے نکلے ہیں، ان میں وہ بھی ہیں جو موقع بہ موقع مخالفِ دین و وطن حضرات سے بھی گٹھ جوڑ کرتے رہتے ہیں اور دوسری طرف وہ نہایت قریب الخیال خادمانِ دین سے شدید نفرت رکھتے ہیں۔ اِس مزمن بیماری کا ابھی تک کوئی کامیاب اور فیصلہ کن علاج دریافت نہیں ہو سکا۔

دوسری تکلیف دِہ بات یہ ہے کہ ابھی تک سیاسی اقتدار کی مجبوریاں انتہائی با اُصول لوگوں کو بھی انتخابی یا پارلیمانی معاملات میں ایسے افراد یا ٹولوں کا منت کش بنا دیتی ہیں جو نہایت معروف طور پر نسلی، صوبائی یا لسانی تعصبات کے علم بلند کرتے اور ان کے گرد قوت جمع کرتے ہیں۔

لیکن اسلامی جمہوری اتحاد کی مضبوط قوت اور اس کی قیادت کی سیاست و فراست سے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ غلط رجحانات کے لوہے کو شاید "حکیمانہ برودت" سے آہستہ آہستہ پگھلا دینا چاہتی ہو۔ ٹسٹ کی بات یہ ہو گی کہ ایسوں کی خوشنودی کے لیے ان کے ناجائز مطالبات کو ماننے اور ان کے ٹولوں کے لیے قانون و انتظام کی جانب داری سے کام لینے تک نوبت نہ پہنچے۔ ان کو بہ حیثیت مؤلفۃ القلوب ساتھ

لیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ آئی جے آئی کا منشور غالب و برتر رہے اور اس کی قربانی نہ دینی پڑے۔ کیونکہ ایسی سودہ بازیاں بازارِ سیاست میں لیڈروں اور پارٹیوں کے کردار کو زرِ کم عیار قرار دے دیتی ہیں۔ یہ آئینے کے ٹوٹنے کا سا معاملہ ہے، پھر کسی گوند اور لئی یا مسالے سے آپ اسے جوڑ نہیں سکتے۔ خمیازہ بھگتنا ہی ہو گا۔ اسی قانون کو یاد رکھیے: "تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ" اس قانون کی تلوار ہر وقت سر پہ لٹکی ہوئی ہے۔

متذکرہ دو ناپسندیدہ امور کے علاوہ مجھے اس بات کا بھی بہت افسوس ہے کہ پیپلز پارٹی (پی۔ڈی۔اے) نے شکست کا سامنا کرنے میں بہادری نہیں دکھائی۔ یہ بڑا بزدلانہ کردار رہا ہے کہ جب فتح ملے تو ناچ کود، بھنگڑوں اور فائرنگ کا طوفان اٹھا دیا جائے مگر کھیل میں جب داؤں ہار دیا جائے تو پھر جیتنے والے فریق پہ دھاندلی کے الزاموں کی بوچھاڑ کر دی جائے۔ تھوڑی بہت دھاندلی سے تو جدید بے ڈھنگی جمہوریت کو پالنے والے مغربی ممالک کے انتخابات بھی پاک نہیں ہوتے۔ اور پاکستان میں بھی یہی معمول رہا ہے۔ لیکن بڑے پیمانے پر جب ۱۹۷۷ء میں دھاندلی ہوئی تو خود عوام یا ووٹروں نے شہروں اور دیہات سے احتجاج کی آوازیں بلند کیں اور بعد دوپہر سے لے کر گنتی تک اخبارات، جماعتوں اور حکومت کے دفتروں میں شکایات اور فریادوں کا تانتا بندھ گیا۔ بڑی اور چھوٹی جگہوں میں مظاہرے ہوئے۔ ہر طرف متاثرین نے ڈبے توڑے جانے، افسروں کے خود مہریں لگانے، بیلٹ پیپر پھاڑ دینے، بکسوں میں سے سلسلہ وار نمبروں کی سو سو، پچاس پچاس پرچیوں کا پی پی کے ایک ہی شخص کے نام نکلنا، عورتوں کے پولنگ میں خصوصی زیادتیاں اور مار کٹائی، گنتی کے وقت ڈالے ہوئے مندرجہ ووٹوں کی کل تعداد سے زیادہ بیلٹ پیپروں کا نکلنا، اور دسیوں شکایتیں ۔۔۔ ایک عوامی طوفان بیک وقت اٹھ کھڑا ہوا جس کے نتیجے میں یہ طے ہوا کہ صوبائی الیکشن کا بائیکاٹ کیا جائے۔

لیکن اب پیپلز پارٹی کے گرم خون اور اسپند آسا اچھلنے اور بھنگڑا ڈالنے اور لوگوں کے گلے پڑنے والے جیالے ووٹر اور کارکن بڑے امن و سکون سے ووٹنگ کا تماشا اس یقین سے دیکھتے رہے کہ رات کو ہم فتح کا جشن منائیں اور صبح کو بے نظیر صاحبہ لاہور میں جلوس نکالیں گی۔ مگر بعض تو نتیجے کا پولنگ اسٹیشنوں پر گنتی کے لیے جانے سے پہلے ٹیلیفونوں پر مختلف جگہوں کے حالات معلوم کر کے کھسک گئے (جس کی رپورٹ ہمیں مغرب کے قریب ملی) اور بقیہ گنتی کا آئینہ دیکھ کر اپنا سا منہ لے کے رہ گئے۔ واقعات اور نظیروں کے بغیر (بے نظیر ہونا ہی تو ہے) دھاندلی کا الزام اچھال دیا۔

میں یہاں لمبی چوڑی بحث کے بغیر مختصر دلائل سے ثابت کر دیتا ہوں کہ پی پی کو اور بی بی کو پہلے سے ان حالات کا اندازہ تھا کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ "قتلِ عاشقاں" کے نتیجے میں "یوسفِ بے کارواں" ہو کر اکیلے پھرنا ہو گا۔

۱۔ پی پی کے نام کی مقبولیت کا گراف گر جانے کی وجہ سے پی ڈی اے کا سائن بورڈ لگایا گیا۔

۲۔ پنجاب جو پی پی کا گڑھ بن گیا تھا، وہاں دو تین سیٹوں سے انتخاب لڑنے کے بجائے محترمہ سرے سے بھاگ گئیں۔

۳۔ نیا امیج بنانے کے لیے ائر مارشل اصغر خاں صاحب کو اسٹیج پر لایا گیا۔ جن سے پی پی بھی زخم خوردہ بھی اور جو خود بھی پی پی کے ستم چشیدہ تھے۔ بی بی صاحبہ اِس محسنِ انتخاب کے منتہا تک آ پہنچیں۔ اور اپنے ایک پُر زور حلقے میں پٹخنے کے لیے انہیں کھڑا کر دیا گیا۔ (شاید تھوڑا سا انتقام لینا بھی مطلوب ہو)۔

۴۔ اعلانِ انتخاب سے لے کر پولنگ کے دن تک حکومت اور معاشرے پر بیرونی دباؤ ڈلوایا گیا۔ یہ غلط ہتھکنڈا اتنا کھلم کھلا استعمال کیا گیا کہ عام لوگ چوکنے ہو گئے مگر پی پی نے تنکے کا آخری سہارا لینے میں بھی کسر نہ چھوڑی۔

۵۔ پی پی کے پچھلے انتخاب والے ووٹ تقریباً حسبِ سابق تھے، مگر "ون ٹو ون" کی فضا نے نتائج بدل دکھائے۔ اگر دھاندلی ہوتی تو ان لوگوں کے ووٹ ضرور خراب ہوتے۔

یہ دلائل ایسے ہیں جن کی بنا پر میرا دعویٰ یہ ہے کہ پی پی اور بی بی صاحبہ کو اپنا انتخابی حشر پہلے سے معلوم تھا، دھاندلی کا کنکوا بعد میں اُڑایا گیا۔

افسوس کہ سابق وزیر اعظم شکست کے سنگِ سخت کی چوٹ نہ سہار سکیں، اور اپنے غصے اور انتقام کا پیشگی ہدف ملک کے معزز صدر کو بنایا جو ایک ایسا عہدہ ہے جس کی بے احترامی اور کردار کشی بذریعہ پروپیگنڈا کرنا نہایت رکیک حرکت ہے۔ کوئی ٹھوس بات سامنے ہو تو صدر کو دستور اور قانون کے راستے سے عدلیہ کے سامنے بلوائیے۔ لیکن جمہوریت کی نیلم پری کی نگاہ میں عدلیہ کی کیا وقعت ہے۔ اور ملک کی افواج اور اس کے سربراہ کا کیا احترام ہے۔ اگر آں محترمہ وزیر اعظم نہیں ہیں تو پاکستان کا ہر بڑا عہدہ دار یا خادم یکسر بے قدر و قیمت ہے۔ آپ ڈوبے، جہان ڈوبا۔

کاش کہ بی بی اور پی پی شکست کو سہارنے میں بھی بہادر نکلتیں اور ان کے فدائی سچے جیالے ثابت ہوتے۔ اگر کسی ایوان کی اپوزیشن لیستی رکھتی ہو تو حکمران قوت کو بھی مزا نہیں آتا۔

خدا کے قانونِ عفو و امہال کے تحت قوم ایک بار پھر تشکیل پاکستان کے سے ماحول میں، ویسے ہی جذباتِ تعمیر و تغیر کے ساتھ کھڑی ہے۔ آپ چاہیں تو اس کیفیتِ خاص سے (جو ۱۹۶۵ء میں نمودار ہوئی تھی اور جس نے ۱۹۷۷ء میں بھی جھلک دکھائی تھی)، بہت بڑا کام لے سکتے ہیں بلکہ ایک "ٹھنڈا انقلاب" پیدا کر سکتے ہیں۔ کیا آپ اِس قوم کو اِس کی تہذیب، اس کا نصب العین، اِس کی وحدت، اور اس کے نوجوانوں کو مقصد و کردار دے سکتے ہیں؟ کیا اس طوفانی قوت کو آپ دعوت سے لے کر تحقیق و تخلیق اور سائنس و ٹیکنالوجی کے میدانوں میں مہارت سے مسلح کر کے باطل نظریات اور فاسد ثقافتوں کا مقابلہ کرنے، اور انسان کی انسانیت کو روپے اور مشینوں اور اجتماعی جبریت کے چکروں سے بچا نکالنے کے لیے تاریخ کے میدان میں

مجاہد بنا کر اُتار سکتے ہیں ؟ ان کو بنیادی سبق یہ دینا ہے کہ تم دنیا کے انسانوں کو باطل فلسفوں اور انسانی خدائی کی مختلف طاغوتی زنجیروں سے نجات دلانے کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا برپا کیا ہوا لشکر ہو۔ ایک کسان اور مزدور سے ایک جاگیردار اور وزیر تک ۔

پاکستان کے اس نئے مرحلۂ تغیر و تبدل میں کیا آپ یہ جرأت کر سکتے ہیں کہ کھدر[۵] کے لباس میں وزیر اعظم ہاؤس میں بھی اور باہر عوام کے سامنے بھی یہ اعلان کر سکیں کہ میں نے اور میرے ساتھیوں نے دس سال تک قومی حالات کو سنوارنے کے لیے کھدر پہننے کا فیصلہ کیا ہے ۔ اُٹھو پاکستان کے غریب مگر غیور نوجوانوں تم بھی دس سال کے لیے اس قربانی کا عہد کرو۔

پھر کیا آپ اس تبدیلی کی جرأت کر سکتے ہیں کہ میں اور میرے وزرا زیادہ سے زیادہ معاوضہ دس ہزار روپے لیں گے ۔ اور مکان اور مکان کی آرائش اور دوسرے الاؤنسز کی مقدار نصف کر دیں گے ۔ اس کے بعد آپ یہ اپیل کریں کہ میرے ملک کے دوسرے افسر بھی رضاکارانہ طور پر مصائب و شدائد کے اس دور کا مقابلہ کرنے کے لیے رضاکارانہ ایثار کی مثالیں قائم کریں ۔ اگر قوم کے سیاسی اکابر لفظی تقریروں کے بجائے ایسی عملی مثالیں قائم کریں تو ان کی اپیل پر ساری قوم کے امرا بھی اپنے آپ کو غریبی اور درویشی کے مقام پر رکھ کر خوشی محسوس کریں گے ۔ بلکہ ساری دنیا کے لیے

---

۵ یہاں کھدر سے مراد سادہ اور غیر مسرفانہ اور غیر نفیس لباس ہے ۔ (اور اسی کی طرح زندگی کے دوسرے لوازم !) اس طرح سے پانچ یا دس سال کے لیے بعض تحدیدات نافذ کر کے قوم کے جذبۂ ایثار سے کام لیا جا سکتا ہے ۔ ورنہ محض ان کو تسلیاں دینے اور حسابی رقموں کو ایک خانے سے دوسرے خانے میں منتقل کرنے سے کام نہ چلے گا قوم کو کسی انقلابی قوت کی طرح خوش دلی سے ایثار کرنے پر آمادہ کیجیے جس کا مؤثر طریقہ سب سے بڑے لوگوں کی طرف سے خود ایثار کرنے کا ہے ۔

ایک منظر حیرت پیدا کر دیں ۔ اپنے نفس پر یہ کنٹرول ایسی عظیم قوت ہے جسے امریکہ ساری دولت اور سائنس خرچ کر کے پیدا نہیں کر سکتا ۔ یہ تو صرف حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز جیسے حکمران پیدا کرنے والی قوم کر سکتی ہے ۔

آپ مناسب موقع پا کر ذرائع ابلاغ سے اپیل کریں کہ آپ کے تعاون سے ہم یہاں سنجیدہ ، باوقار اور باحیا معاشرہ پیدا کرنا چاہتے ہیں ۔ لہٰذا جنسی چٹخاروں کا پرانا نسخہ تفریح اور کشش دار تصاویر چھاپنے کا مشغلۂ لطیف چھوڑ کر ایک ایسی " نئی قوم " کی تعمیر کے کام میں لگ جائیے جو بھٹکے ہوئے نظریات پر زندگی اور تہذیب کی غلط تعمیر کرنے والی بڑی بڑی غلام ساز اور ماہی گیر طاقتوں کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو ۔ بلکہ اپنے عقیدوں اور قدروں کی بنیاد پر اپنی نئی دنیا آزادانہ ذہن سے استوار کرے ۔ اور یہ نقشہ عملاً دکھا دے کہ پاکستان کا مطلب لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے ۔

پھر کیا یہ امید لگائی جا سکتی ہے کہ آئی جے آئی کے دور میں پاکستان دنیا بھر کے لیے روشنی کا ایک مینار (بالفاظ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ) بن جائے گا ؟ ——
یا کیا بدقسمتی سے تاریخ کا یہ زریں لمحہ بھی برباد ہو جائے گا ۔ اور ہم اسی ڈر سے مارے جائیں گے کہ مغرب والے ہمیں فنڈ امنٹل ازم کی گالی نہ دے دیں ۔

اگر یہ زریں موقع اور یہ گراں بہا لمحہ ہم نے گنوا دیا تو پھر ساری قوم ایک بار پھر دور کے لیے یاس کی تاریک وادیوں میں ٹامک ٹوئیے مارتی پھرے گی ۔ اور اس کے ذمہ دار عنداللہ وہ لوگ ہوں گے جن کے ہاتھ اس ہوا اقتدار کی باگوں پر ہیں ۔

اتفاق سے میں نے ان دنوں نوائے وقت میں " م ش " کا کالم (پدرم کسان بود) پڑھا ۔ اور یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی ۔ معاشرے کی جدید صفوں میں ایک ایسا شخص بھی موجود ہے جس کی زبان سے یہ آرزو سنی جا چکی ہے کہ میں عمر بن عبدالعزیزؒ کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتا ہوں ۔ کتنی خوش نصیب ہے یہ قوم کہ اس کے سایہ میں ایسا شخص پرورش پا کر لیڈری کے مقام تک پہنچا ۔

لیجیے جناب! آپ نے ایک آرزو — ایک آئیڈیل کا اظہار کیا تھا اور اس کا ٹسٹ لینے کے لیے کتنا جلد اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسندِ اقتدار پہ بٹھا کر آپ کے سامنے میزان لگا دی ہے جس کے ایک پلڑے میں عمر بن عبدالعزیز کا ایمان، کردار، درویشی، انصاف پروری، خدمتِ خلق، شاہی داد و دہش سے ملی ہوئی جاگیروں کے پہ قینچی چلا دینا، تعلیمِ کتاب و سنت کا انتظام کرنا، کفالتِ عامہ کے تحت غربا اور خواتین اور بچوں کو وظائف بہم پہنچانا، پھر خدا کے حضور میں سرِ عبودیت کو بار بار خم کرنا...... متاع ہائے گراں بہا کا انبار ہے۔ دوسرا خالی پلڑا آپ کے سامنے رکھ دیا گیا ہے کہ اب اپنی آرزوئے پنہاں کے مطابق آپ اس میں کیا ڈالتے ہیں اور اس کے لیے کتنا وزن فراہم کرتے ہیں۔ وکفیٰ بِنَفْسِكَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ حَسِيبًا۔

مجھ قلم راں پر تو یہی نشہ دیر تک طاری رہے گا کہ فنڈامنٹل ازم کی گالی دینے والے اس دور میں ہمارا ایک پاکستانی بھائی ابوبکرؓ و عمرؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ سے اتنا گہرا قلبی رابطہ رکھتا ہے اور پھر اسے بیان بھی کرتا ہے اور اب شاید اُسے عملاً بھی ماضی کی کچھ جذبہ انگیز کہانیوں کو زندہ کر کے دکھاتا ہو۔ سعادت کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ اندر داخل ہو جائیے اور جہاں تک چاہیں، بڑھتے جائیے۔ لیکن کام بہر حال یہ جان جوکھوں کا ہے، سیاسی کھیل تماشا نہیں۔ یہاں محض اچھے خیال اور اچھے الفاظ کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتے۔

ویسے اُصولاً میرا خیال یہ ہے کہ کسی بھی نئی حکومت کی قسمت کا فیصلہ پہلے سو دنوں میں ہو جاتا ہے۔ یعنی جو امیج بننا ہو وہ بن جاتا ہے۔ اور جو توقعات لوگوں نے استوار کی ہوں، ان کے متعلق وہ اِس نتیجے پہ پہنچ جاتے ہیں کہ کیا مطلوب چیزیں عمل میں آسکیں گی اور کن نامطلوب چیزوں سے کتنا چھٹکارا مل سکے گا۔

میرا خیال ہے کہ ذیل کے چند مسائل و موضوعات ہیں جن میں پیش قدمی کی ضرورت ہے۔ چاہیے آپ آہستہ آہستہ دو چار ٹھوس اور محسوس قدم اُٹھائیں تاکہ لوگوں کی اُمیدوں کی لَو اُونچی ہو جائے

مسئلۂ کشمیر ـــــ مسئلۂ افغانستان ـــــ خلیجی چیلنج ـــــ اقتصادی اُمور ـــــ مسئلۂ تعلیم ـــــ قومی زبان کا مسئلہ ـــــ شریعت ـــــ جاگیریں ـــــ

ان تمام موضوعات پر آئی جے آئی کے منشور کی روشنی میں کچھ اہم تفصیلی تدبیریں میرے سامنے تھیں، مگر ایک تو میں ماہرانہ مقام نہیں رکھتا۔ دوسرے اس تحریر کے نقشے کی حدود اجمال سے آگے جانے نہیں دیتیں۔ ورنہ میں جاگیرداری جیسے مشکل مسئلے پر بھی ضرور اظہارِ خیال کرتا۔ تیسرے اس وقت ہماری قیادت پر مشوروں کی بوچھاڑ ہو رہی ہو گی، اور بیوروکریسی کسی کو اپنے سے آگے نکلنے نہ دے گی۔ رسوبے کار کی کھکیڑ میں پڑنا حکیم جالینوس کا بتایا ہوا نسخہ تو نہیں کہ جسے برتے بغیر جینا محال ہو۔ اب تو یہ سوچنے کی ذمہ داری وزیراعظم جناب نواز شریف صاحب اور آئی جے آئی کے لیڈروں پر عاید ہوتی ہے۔

آخر میں بدلے ہوئے حالات میں کچھ باتیں ہم سفرانِ مقصد سے بھی!

ہمارا پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ ہمارا بنیادی کام دعوت حق اور اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ ایمانی استحکام کے ساتھ، عبادت و ذکر سے پرورش زدہ روح کے ساتھ، حالات کے شعور کے ساتھ، انسانوں کی پہچان کے ساتھ، محبت و خدمت کے مسلک کے ساتھ، بہترین اخلاق اور بہترین الفاظ کے ساتھ، خدا کی بات کو خدا کے بندوں تک پہنچانا ہے۔ اس کام کا اگر حق ادا ہو رہا ہو اور اس کے سارے تقاضے پورے ہو رہے ہیں تو پھر اگر آگے کے مراحل تک رسائی نہ بھی حاصل ہو سکی تو آدمی بندگی کے امتحان میں پورا اترا

پھر اور جتنے بھی مشغلے اور ذمہ داریاں ہیں، تنظیم و تربیت کا کام، اقتصادی اور مالی ترقی کی مساعی، سیاست کے ادارے کی اصلاح اور دین کے منشا کے مطابق تبدیلیٔ حالات کے لیے انتخابات میں شرکت اور پارلیمان میں پہنچ کر ہر مسئلے پر آوازۂ حق اُٹھانا اور ہر خرابیٔ احوال کو نمایاں کرنا یقیناً ضروری کام ہیں۔ یہ بھی دعوت کے اگلے مراحل اور تقاضے ہیں۔ یعنی دعوت کا کام نئے نئے دائروں ہیں، نئے نئے پیرایوں سے کیا جا سکتا ہے۔ اور نئے نئے حلقوں کی اہم انتظامی اور سیاسی شخصیتوں تک بات پہنچائی جا سکتی ہے ــــ مگر یہ سب کچھ بھی باعثِ خیر، ذریعۂ خدمتِ دین اور سامانِ توسیعِ دعوت جبھی ہو سکتا ہے کہ ہر مسئلے اور ہر دائرے سے گزرتے ہوئے بنیادی کام اور اس کے ایمانی، تعبدی و اخلاقی اور تنظیمی معیارات برقرار رہیں۔ اصل چیز دعوت ہے اور اس کے لیے افراد سے رابطہ تکلم کا کام ہے۔ اس بنیادی سرمایے میں اگر اقتصادی یا سیاسی یا انتخابی سرگرمیوں کی وجہ سے خسارہ آجائے تو پھر اور کسی بھی طرح کا نقصان خسارہ ہی خسارہ ہے۔ "دین ہاتھ سے دے کر" اور اس کے اُصولی روایات کو قربان کر کے انتخابات جیتنا یا پارلیمانی نشستیں اور عہدے حاصل کرنا صحیح اور معیاری خدمتِ دین کا ذریعہ نہیں۔ اگر اپنے اُصولوں اور معیارات کا کڑا تحفظ کرنا ہو تو پھر تعداد کم ہو یا زیادہ، خواہ کتنے ہی تھوڑے علاقوں میں انتخابی سرگرمی کی گنجائش ملے، نامزد نمائندے کامیاب ہوں یا ناکام، یا کم آگے بڑھ سکیں اور زیادہ پیچھے رہ جائیں۔ ان سارے امکانات کے باوجود اپنا کام اپنے ہی پلیٹ فارم سے اپنی ہی قوت کے ساتھ کرنا اہلِ حق کے لیے بہترین راستہ ہے۔

میرا خیال ہے کہ ہمیں اُسی پُرخلوص طریق سے اسلامی جمہوری اتحاد کو مضبوط کرنے، اس کی قیادت کو مشورے دینے اور عوام کو اس کے گرد جمع کرنے کا کام جاری رکھنا چاہیے، ورنہ ایک بار اگر عہدہ و جاہ اور دوسرے مفاد، یا صفِ اتحاد میں غیر معمولی مرتبے اور اہمیت کا حصول درمیان میں آگئے تو سیاست شطرنج کا ایک کھیل بن

جائے گی اور سیاست کاری کے بجائے سیاست بازی شروع ہو جائے گی۔ دوسرے لوگ اگر ایسے مقاصد کے لیے کشمکش کرتے بھی ہوں کہ ہمیں اقامتِ دین کے سپاہیوں کی حیثیت سے اپنے مقامِ خلوص پر کھڑے رہنا چاہیے۔ ہاں اگر خود آئی جے آئی یا اس کی قیادت ہمیں کوئی ذمہ داری سونپے تو "لا و نعم" کے چکر میں پڑے بغیر اسے قبول کر کے اعلیٰ کارکردگی کی روشن مثال قائم کرنی چاہیے۔ اور کام کا تجربہ حاصل کرنا چاہیے۔ جب کبھی مختلف گروپ یا افراد اتحادوں میں اپنی قیمت بڑھانے کے لیے بکھیڑے ڈالنے پر اتر آتے ہیں تو ان کا وقار صرف اندرونی حلقوں میں ہی نہیں عوام میں بھی گرنے لگتا ہے۔ ہر کام سادہ فطری طور پر اور ہمواری سے ہونا چاہیئے، ورنہ کوئی بڑا بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے۔

یہ تو خیر جو کچھ ہو رہا ہے یا ہو گا، میرا ایک دردمندانہ احساس یہ ہے کہ چند سالوں کی انتخابی سیاست نے ہمارے ایمانی و اخلاقی معیار پر بُرا اثر ڈالا ہے، بلکہ اپنے ہاں رُکنیت اور عہدوں کے معاملے میں کچھ جھول سی آ رہی ہے یا دینی تحریکی شعور پر تھکن یا غنودگی کا اثر ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی بنیادی ذمہ داری کو دین کا تقاضا نہیں، بلکہ ایک ایسی وقتی تدبیر سمجھنے لگیں جس کی ضرورت صرف ابتدائی دورِ تیاری میں تھی۔ لیکن اب محض جلسے جلوسوں کے ذریعے توسیعی کام کرنے کا وقت آ گیا ہے۔

اس طرح کے سوالات کی وجہ سے بعض رفقا میں ایک پریشانی سی پائی جاتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایسے حضرات متفرق باتیں کرنے اور پریشان ہونے کی جگہ مقامی شوراؤں میں گفتگو کریں، پھر کسی بالائی امیر و مجلسِ شوریٰ تک بات پہنچائیں اور ضرورت ہو تو مرکزی امیر اور مجلسِ شوریٰ کی طرف رجوع کریں۔

کسی بھی حال میں پراگندگی پیدا نہ ہو۔ بس دل کا سارا بخار مناسب اشخاص یا مناسب مجالس کے سامنے نکالیں، اور دستور یا مستقل دینی رہنمائی اور روایات کے لحاظ سے کسی چیز کو مدلل طور پر آپ اہم سمجھیں تو کوئی آپ سے یہ نہیں کہتا کہ لیپا پوتی پر مطمئن ہو جائیے۔ صحیح بات پر مضبوطی سے کھڑے ہونا اور صحیح بات کو صحیح دلائل سے منوانا دینی نظامِ جماعت

اور اس کی قیادت کے لیے خیر خواہی ہے، اور باعثِ ثواب۔

آخر میں ملک کی نسبتاً بہتر تبدیلی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے میں یہ دُعا کرتا ہوں کہ وہ نئی حکومت و قیادت کو توفیق دے کہ وہ معاشرے کے پچھلے زخموں پر مرہم رکھے، مسائل کی اُلجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھائے، نفاذِ شریعت اور دینی و دنیوی صلاح و فلاح کے کارنامے انجام دے، امریکی دوستی کی نیش زنی کی وجہ سے اور خلیجی حوادث کی وجہ سے جو بھاری چیلنج سامنے آگیا ہے اسے تدبر اور عوامی تعاون سے حل کرے، جس اتحاد پر وہ قائم ہے وہ محکم و توانا رہے اور جماعتِ اسلامی کو اس عہد میں توفیق دے کہ وہ اپنے آپ پر اور دوسرے برادرانِ ملّت پر اللہ کی مرطبات کو بے لوثی اور بے ریائی کے ساتھ نافذ کرنے کے زیادہ موثر راستے نکال سکے۔ آمین!